دارالعلوم دیوبند کی تعلیمی و عصری خدمات کا تنقیدی مطالعہ

A Critical Study of Educational and Contemporary Contributions of Dar-ul-Aloom Deoband

*ڈاکٹر ریحانہ قریشی

**پروفیسر ڈاکٹر مہر محمد سعید اختر

ABSTRACT:

Purpose of the study was to reflect great contributions of Dar ul Uloom Deouband. After the end of Independence War ۱۸۵۷, three factors endangered the Muslims of India religiously and educationally. Firstly, the Christian missionaries who thought that after the political downfall Muslims would convert themselves to Christianity. Secondly, the missionaries were proclaiming blasphemy about Islam and the Holy Prophet Muhammad Sallalaho Alaha Wasalam. In this regard, William Mure wrote a notorious blasphemous book about which Sir Syed said, "Alas! We like to die." Thirdly, in these circumstances the doubts of Muslims were increasing that Muslim may not be converted to Christianity but it may create hatred from Islamic ideology. Just to cope up with these dangers, various educational movements came into being; one of them is Deouband Movement. As a result of the efforts by Dar ul Uloom Deouband, Muslims were able to save their Din and eman.

پس منظر:

مسلمان جو کہ ایک ہزار سال تک علمی تحریک کے قائد و علمبردار رہے اور انسانی علوم و فنون کی ہر شاخ میں انہوں نے اپنی عبقریت و ذہانت کے نئے نئے غنچہ و گل کھلائے۔ انہوں نے یونان و ایشیاء کے ثقافتی سرمائے کو عربی اور اسلامی زبان میں منتقل کیا اور اس پر مفید و گرانقدر اضافوں کے بعد اسے عرب،

---

* ڈیپارٹمنٹ آف سوشل سائنسز اینڈ ہیومینیٹیز، یونیورسٹی آف ایگریکلچر، فیصل آباد

** ادارہ تعلیم و تحقیق یونیورسٹی آف دی پنجاب۔

افریقہ، اور اسپین کی جامعات کے ذریعے یورپ تک پہنچایا۔ یورپی نشاۃ ثانیہ کی اہم شخصیت راجر بیکن جس نے سائنس کو تجربی طریقہ دیا وہ جامعہ قرطبہ کا طالب علم تھا۔ مگر سیاسی قیادت چھن جانے کے بعد علمی و ثقافتی امامت و سیادت بھی مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گئی۔ یورپ نے مسلمانوں سے حاصل کیے ہوئے علوم کو غیر انسانی و غیر اخلاقی رنگ دے دیا بلکہ مسلمانوں سے حاصل کئے ہوئے علوم و فنون کو خود ان کے خلاف استعمال کرنا شروع کر دیا۔

صلیبی جنگوں، ترکوں کی فتوحات، قومی و مذہبی اختلافات اور اپنے توسیع پسندانہ رجحانات کے سبب مغربی طاقتوں نے مسلمانوں کو سسلی اور اسپین سے بے دخل کرنے کے بعد تقریباً سارے عالم اسلام کو اپنے ہمہ گیر استحصال کا نشانہ بنانا شروع کیا جس کی بدترین مثال ۱۸۵۷ء میں ہندوستانی مسلمانوں کے خلاف ان کا جوش انتقام تھا۔ اس وجہ سے ہندوستانی مسلمان ایک طویل عرصے تک اپنا سیاسی و ثقافتی وجود کھو بیٹھے۔ ان کا دینی و ملی مستقبل خطرے میں پڑ گیا۔ ان پر عرصہ حیات تنگ ہو گیا۔ اس بربریت کی غم انگیز داستان غالب کے خطوط اور ہندوستان کی تاریخوں میں پڑھی جا سکتی ہے۔ اس المیے کا سب سے دردناک پہلو یہ تھا کہ فاتح برطانوی حکومت کے جذبہ انتقام کا رخ زیادہ تر مسلمانوں کی طرف تھا اور وہ انہیں مذہب و ثقافت سے الگ کرکے اپنے رنگ میں جذب کر لینا چاہتی تھی۔ اس مقصد کے حصول کے لئے ایک طرف سینکڑوں مدارس بند کئے گئے تو دوسری طرف ان کی جگہ مشنری اسکول کھولے گئے اور ہندوستان بھر میں سرکاری سرپرستی میں جارحانہ طور پر عیسائیت کی تبلیغ ہونے لگی۔

اس شکست خوردگی کے ماحول میں جب کہ اسلام اور مسلمان اپنے انحطاط کے آخری نقطے پر پہنچ گئے اور دور دور تک ان کا مستقبل تاریک نظر آ رہا تھا تو تعلیمی احیاء کے لئے جو تحریکیں اٹھیں انہوں نے معاشرے پر کافی اثرات مرتب کئے۔ ان میں سے ایک تحریک دیوبند ہے۔

تعارف:

بانی دار العلوم کا یہ خواب کہ: میں خانہ کعبہ کی چھت پر کھڑا ہوں اور میرے ہاتھوں اور پیروں کی تمام انگلیوں سے نہریں جاری ہیں اور اطراف عالم میں پھیل رہی ہیں پورا ہوا[1]۔ مشرق و مغرب میں علوم نبوت کے چشمے جاری ہونے کی راہ ہموار ہو گئی۔ دار العلوم کے مہتمم ثانی شاہ رفیع الدین کا یہ خواب کہ علوم دینیہ کی چابیاں میرے ہاتھ میں دے دی گئی ہیں صرف خواب ہی نہ رہا بلکہ حقیقت بن گیا۔ اس مدرسہ کے ذریعے ان چابیوں نے اُن قلوب کے تالے کھول دیئے جو علم کا ظرف بننے والے تھے۔ جن سے علم کے سوتے ہر طرف پھوٹنے لگے اور چند نفوسِ قدسیہ کا علم آن کی آن میں ہزارہا علماء کا علم ہو گیا۔ دار العلوم جس

کا سنگ بنیاد سادہ اور معمولی طریقے سے رکھا گیا تھا چند ہی سال میں ایشیاء میں علوم اسلامیہ کا سب سے بڑا مرکز بن گیا۔ برصغیر سے گزر کر افغانستان، ایران، سمرقند و بخارا، برما، انڈونیشیا، ملائیشیا، ترکی اور براعظم افریقہ کے دور دراز خطوں سے کتاب و سنت اور شریعت و طریقت کے طلاب یہاں جوق در جوق آنا شروع ہو گئے۔ (۲)

جنگ آزادی کے بعد جب کہ مسلمانوں کی شوکت ہندوستان میں پامال ہو چکی تھی اور حالات میں یکسر انقلاب آچکا تھا، دارالعلوم نے ان بدلے ہوئے حالات میں سب سے بڑا کام یہ کیا کہ مسلمانوں کے دین اور ان کی معاشرت تبدیل نہ ہونے دی۔ مبادا وہ حالات کی رو میں بہہ جائیں۔ پختگی اور عزیمت کے ساتھ انہیں اسلامی سادگی اور دینی ثقافت کے زاہدانہ و متوکلانہ اخلاق پر قائم رکھا مگر اس حکمت کے ساتھ کہ عوام کی حد تک حدود میں رہتے ہوئے جائز توقعات سے گریز نہیں کیا جو بدلتے ہوئے تمدن و معاشرت میں طبعی طور پر ناگزیر تھا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ خواص کی حد تک دائرہ وسیع نہیں ہونے دیا جس کی وجہ سے عام مسلمانوں میں اسلامی مدنیت کا سادہ نقشہ قائم رہا اور جدید تمدن و معاشرت میں اغیار کی نقالی کا غلبہ نہیں ہو سکا۔ یوں اسلامی غیرت و حمیت باقی رہ گئی۔ جدید دور کی برتری اور احساس کمتری قلوب میں جمنے نہ پائی۔ ضمیر کی آزادی کا پورا پورا تحفظ کیا، اتباع اغیار کے بجائے سنت نبوی کو معیار زندگی بنانے کے جذبات قلوب میں ابھارے جس سے عام تمدن و معاشرت میں تقویٰ و طہارت کی خواہشات اجاگر رہیں۔ (۳)

یہ ایک بڑا ہی انقلابی اقدام تھا جس کے درج ذیل پہلو قابل غور ہیں۔

علوم دینیہ میں گراں قدر اضافے کا موجب تحریک دیوبند نے علوم دینیہ کی وہ عظیم الشان اور گراں مایہ خدمات انجام دی ہیں جو تاریخ کے صفحات میں زریں حروف میں لکھے جانے کے لائق ہیں۔ اس نے علم دین کی راہیں ہموار کیں۔ تالیفات و تصنیفات کے ذریعے علوم دینیہ میں گراں قدر اضافے کیے۔ دہلی کے سقوط کے بعد یہی ایک درس گاہ تھی جو مسلمانوں کی توجہ کا مرکز بنی۔ طالبان علم و عرفان اسی عظیم درس گاہ میں جمع ہوئے اور علم کے پیاسوں نے اسی چشمۂ شیریں سے اپنی پیاس بجھائی۔ (۴)

دافع خوف وہراس دارالعلوم علوم دیوبند ایک قدیم طرز کی درس گاہ ہی نہیں بلکہ احیائے اسلام و قیام ملت کی ایک عظیم الشان تحریک کا نام ہے۔ اس نے اسلام کے جان نثاروں اور ملت کے غمگساروں کی ایک ایسی جماعت تیار کر دی جو ملت کے غم میں خود بھی روئے اور دوسروں کو بھی رُلایا، جو اسلام کی سربلندی اور مسلمانوں کے وقار کی بحالی کیلئے خود بھی تڑپے اور دوسروں کو بھی تڑپایا۔ انہوں نے

آبرومندانہ زندگی کے حصول کیلئے خود بھی اپنی جانیں قربان کیں اور دوسروں کو بھی ایثار پیشگی کا درس دیا۔انہوں نے مسلمانوں کا ذہنی جمود توڑا، برطانوی استعمار کا سحر توڑا، وقت کی جابر قوتوں سے پنجہ آزمائی کی اور افراد کے ذہنوں سے خوف وہراس دور کیا۔ (۵)

تاریخ ہند کا روشن باب:

اس کا بیج اچھا تھا اور اچھے ہاتھوں سے بویا گیا تھا جو اس کی ترقی کی وجہ بنا۔ دیوبند کا مدرسہ حقیقتاً شاہ عبدالعزیز اور شاہ ولی اللہ کے درس کی نمایاں خصوصیات کا حامل تھا۔اس میں فرنگی محل مدرسے کی طرح منطق، صرف ونحو اور فقہ ہی پر سارا وقت صرف نہیں ہوتا تھا بلکہ حدیث کا بھی خاص خیال رکھا جاتا تھا جو شاہ ولی اللہ اور ان کے جانشینوں کا امتیاز تھا(۶)۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ۱۸۵۷ء کے انقلاب کے بعد دار العلوم نے جو تعلیمی، علمی، دینی، اصلاحی، تبلیغی اور سیاسی خدمات انجام دیں وہ ہندوستان کی تاریخ کے سب سے زیادہ روشن باب ہیں۔دار العلوم دیوبند مسلمانوں کا نہ صرف دھڑکتا ہوا دل رہا بلکہ ذہنی نشوونما اور اخلاقی اقدار کا محافظ، ملی جرات وہمت اور تہذیب و تمدن کا مرکز ومحور، کتاب وسنت کا گہوارہ اور مسلمانوں کی علمی وعملی زندگی نیز عقائد کا مضبوط ترین قلعہ بھی رہا۔ (۷)

خصوصیت آزادی:

دیوبند کی ایک نہایت اہم خصوصیت اس کی آزادی تھی۔ مولانا قاسم نانوتوی نے اپنے ان اصولوں میں جو انہوں نے دیوبند کے لئے مرتب کئے تھے، دینی پہلو کے بعد سب سے زیادہ اہمیت ضمیر کی آزادی اور حکومت وامراء کی گرفت سے اس اسلامی تعلیمی ادارے کو آزاد رکھنے پر دی۔آپ نے کہا تھا: سرکار اور امراء کی شرکت بھی زیادہ مضر معلوم ہوتی ہے۔ تا مقدور ایسے لوگوں کا چندہ زیادہ موجب برکت معلوم ہوتا ہے جن کو اپنے چندہ سے امید ناموری نہ ہو۔الجملہ حسن نیت اہل چندہ زیادہ پائیداری کا موجب نظر آتا ہے(۸)۔حکومت کے بارے میں یہ فیصلہ مسلمان اہل علم کے ذہن کا عکاس ہے۔انہوں نے انگریزی حکومت اور اس کی تعلیم کے مقاصد اچھی طرح بھانپ لئے۔وہ یہ چاہتے تھے کہ ادارے پر بالواسطہ طور پر بھی حکومت کا سایہ نہ پڑے۔ یہ حکومت سے عدم مصالحت کے روّیے کا ایک اہم مظہر تھا(۹)۔ایک حیثیت سے یہ خود مسلمانوں کے نظام تعلیم کی روایت سے بھی انحراف تھا۔اس لیے کہ اس میں حکومت اور امراء کی امداد کا ہمیشہ بڑا حصّہ رہا ہے۔ لیکن اب مسلمان جن سیاسی وتمدنی حالات سے دوچار تھے، ان میں غیر معمولی احتیاط کا تقاضا یہی تھا کہ حکومت اور دوسرے اہل مفاد کے اثر سے خود کو محفوظ رکھا جائے، اس لئے کہ حکومت اپنی نہ تھی بلکہ دشمن کی تھی۔

نظام مالیات :

تحریک کے مالی نظام کو اہل اخلاص کی چھوٹی رقوم تک محدود رکھا گیا۔ جس کی وجہ سے مدرسہ صرف غیر صحت مند اثرات سے ہی محفوظ نہ رہا بلکہ بہت جلد ایک عوامی تحریک میں تبدیل ہوگیا۔ اس کی وجہ سے ہزاروں مسلمان مدرسہ سے وابستہ ہوگئے اور اپنے دین و ثقافت کی حفاظت کیلئے انہیں ایک راستہ نظر آیا۔ اس سے بانیان مدرسہ کا ذاتی تقویٰ، توکل علی اللہ اور بے غرضی ظاہر ہوتی ہے۔ انہوں نے بے سروسامانی سے کام کرنا پسند کیا۔ لیکن غلط ہاتھوں سے بڑی رقوم لینا پسند نہ کیا۔ اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ دیوبند کا مزاج سیدھا سادہ رہا۔ رہن سہن کا معیار معمولی اور عوام کے معیار زندگی کے زیادہ قریب رہا۔ دوسرے مدرسوں میں غیر ضروری کاموں پر بڑی رقوم خرچ ہو جاتی تھیں جب کہ یہ مدرسہ دولت کے اس ضیاع سے بچا رہا اور زیادہ سے زیادہ وسائل فروغ تعلیم ہی پر خرچ ہوئے۔ [۱۰]

نظام مشاورت :

اس ادارے کی ایک اور اہم خصوصیت اس کا نظام مشاورت تھا۔ ماضی میں ہندوستان میں جو دینی مدارس تھے ان میں بالعموم سارا انتظام ایک فرد یا ایک خاندان کا ہوتا تھا۔ لیکن دیوبند اس صحت مند روایت کا بانی ہے کہ سارے انتظامی امور ایک مجلس شوریٰ کے سپرد کر دیئے گئے اور انتظامی امور کی انجام دہی کیلئے ایک مہتمم مقرر کیا گیا جس کیلئے ضروری تھا کہ سارے امور شوریٰ کے فیصلے سے طے کرے اور آخری فیصلہ شوریٰ کا ہو۔ اس طرح اسلام کی جمہوری و شورائی روح کو یہاں دوبارہ زندہ کرنے کی کوشش کی گئی۔ [۱۱]

ذریعہ تلافی جنگ آزادی :

تحریک دیوبند ۱۸۵۷ء کی ناکامی کی تلافی کے لیے ایک پُر خلوص اور پُر درد کوشش تھی۔ دیوبند کا یہ کردار بعد کی تاریخ میں بہت نمایاں ہوا۔ مولانا محمود الحسن، مولانا حسین احمد مدنی اور مولانا شبیر احمد عثمانی کی تدریسی اور سیاسی سرگرمیوں کے ذریعے دیوبند خصوصیت کے ساتھ انگریزوں کے خلاف سرگرمیوں کا ایک بڑا مرکز بن گیا (۱۲)۔ بلاشبہ آزادی کی تحریک میں قابل ذکر سرفروشانہ جدوجہد کا سہرا اس کے اساتذہ اور طلبہ کے سر ہے۔ [۱۳]

تعلیمی نظریہ...... عوامی تعلیم :

دارالعلوم کا تعلیمی نظریہ عوامی تعلیم تھا۔اس نے غریب طبقے کے لئے تعلیم کا انتظام کیا اور جس معیار کی بھی تعلیم دی وہ عوامی زندگی سے مربوط رہی ۔ تحریک دیوبند نے بنیادی دینی تعلیم کو زندہ رکھا۔اس کی وجہ سے مسجدیں اور مکتب آباد رہے۔بے شک یہ ایک حقیقت کیوں نہ ہو کہ یہ تعلیم نئے دور کے تقاضے پورے نہ کر رہی تھی لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کہ جو خدمت اس نے انجام دی اسے حقیر جاننا کوتاہ نظری کے سوا کچھ نہیں۔اگر خدانخواستہ یہ انتظام نہ ہوتا تو آج افغانستان ، پاکستان ، بھارت، بنگلہ دیش ، برمااور سری لنکا کے مسلم معاشرے کی کیا حالت ہوتی؟اس کے تصّور ہی سے روح کانپ اُٹھتی ہے۔

یک رنگی تعلیم :

تحریک دیوبند کے مقاصد تعلیم ،طریق تعلیم ،نصاب تعلیم اور تنظیم مدرسہ کے بارے میں ایک ہی اصول سب جگہ کارفرما نظر آتا ہے۔جدید تعلیم کی طرح اس میں تضاد نظر نہیں آتا۔جدید تعلیم طالب علم کو بیک وقت مختلف سمتوں میں لے جاتی ہے جس کے نتیجے میں طالب علم کی شخصیت انتشار کا شکار ہو جاتی ہے لیکن اس میں یک رنگی پائی جاتی تھی۔ جو طالب علم کو اپنے مخصوص رنگ میں رنگ دیتی تھی۔ (۱۴)

محافظ دین و مسلم ثقافت :

دین اسلام اور مسلم ثقافت کا تحفظ مقاصد تعلیم کا حصّہ تھا۔اسی لئے دیوبند اصلاحی تحریک کا مرکز بھی رہا(۱۵)۔ دارالعلوم دیوبند کی ابتدائی اصلاحی تحریکات یہ تھیں :عقد بیوگان ،لڑکیوں کو ترکہ دینا، تقریبات اور تہواروں میں اسلامی تعلیمات کے خلاف رسوم کا انسداد،دین میں داخل خارجی باتوں کی روک تھام، مراسم پرستی کے خلاف جنگ چونکہ ان کا مسلمانوں کی زندگی پر اثر تھامثلاً بیاہ، ختنہ ، کن چھیدن، منگنی کی تقریبات، مختلف بہانوں سے طرح طرح کی غیر ضروری تقریبات جو مہینوں جاری رہتیں۔یوں دولت مندی کی شان دکھانے کیلئے روپیہ پانی کی طرح بہایا جاتا تھا۔ (۱۶)

کفر و استعمار کے خلاف عظیم قلعہ :

کفر و استعمار کے خلاف دیوبند ایک عظیم قلعہ ثابت ہوا۔اس کے اساتذہ نے عیسائی مشنریوں اور ہندو آریہ سماجیوں کے فتنہ انگیز لٹریچر کا نہ صرف جواب دیا بلکہ اس سلسلے میں بہت وقیع لٹریچر بھی تیار

کیا گیا جس کا اسلوب بیان خواہ کمزور تھا لیکن لوازمے کی تلاش اور فراہمی میں پوری دیدہ ریزی سے کام لیا گیا۔ قرآن پاک کا پیغام عام کرنے کے لئے مولانا محمود الحسن نے قرآن کا اردو ترجمہ کیا، مولانا عبدالحق نے تفسیر حقانی لکھی، مولانا اشرف علی تھانوی اور مولانا شبیر احمد عثمانی نے بھی بلند پایہ دینی و علمی خدمات سرانجام دیں(۱۷)۔ عدم اتباع سلف اور مغربیت کا فتنہ دین میں داخل ہونے لگا تو اس تحریک نے دلائل سے اس کی کامیاب مدافعت کی۔ بلکہ ایک ایسی مستقل حکمت عملی تیار کی جس کے سامنے کوئی فلسفہ کسی بھی روپ میں آیا تو اس نے فلسفہ کا انداز پہچان کر اسے اپنے راستے پر روک لیا(۱۸)۔ یوں دارالعلوم دیوبند جو میراث نبوت کا امین وداعی تھا وہ نہ صرف برصغیر پاک وہند بلکہ پورے عالم اسلام میں ہمہ جہتی، دعوت وارشاد، جہد وجہاد، حفاظت علوم رسالت، کتاب وسنت، تدریس واشاعتِ فقہ اور تزکیۂ قلوب کا علمبردار رہا۔ گویا دارالعلوم دیوبند ایک جامعہ درسگاہ اور مرکز تعلیم وتربیت نہیں بلکہ ایک مستقل تحریک ودعوت اور مدرسہ فکر تھا بلکہ ہے۔(۱۹)

خدمت گار اردو زبان:

دارالعلوم دیوبند کی ایک قومی خدمت یہ ہے کہ اس نے اردو زبان کو ذریعہ تعلیم بنا کر اُردو زبان کی بھی خدمت کی۔ اُردو نہ صرف دارالعلوم میں تعلیم وتدریس اور فہم و تفہیم کی زبان بن کر مختلف صوبوں سے تعلق رکھنے والے طالب علموں میں فکری وحدت مضبوط کرتی رہی بلکہ دارالعلوم کے توسل سے افغانستان اور وسط ایشیاء میں بھی پہنچ گئی(۲۰)۔ زبان کی تاریخ نے اُردو کیلئے دارالعلوم دیوبند کی خدمات کا اعتراف کیا ہے یا نہیں؟ یہ ایک الگ بحث ہے مگر واقعہ یہ ہے کہ ارباب دیوبند نے تعلیم وتدریس کے علاوہ اپنے روحانی حلقوں میں بھی تربیت وتزکیہ کیلئے اردو زبان ہی کو ذریعہ ابلاغ بنایا جس سے نہ صرف اردو کا حلقہ وسیع ہوتا گیا بلکہ اردو زبان کے سرمایہ فکر میں بھی اضافہ ہوا۔ سلوک وتصوف کے لطائف ومعارف اردو زبان میں ڈھلنے لگے جس سے اُردو کے علمی سرمایہ کو بالیدگی ملی۔(۲۱)

ذریعۂ اصلاح باطن

دیوبند کے نظام تعلیم میں اصولی طور پر صرف تعلیم ہی نہیں بلکہ تربیت اور اصلاح باطن کا انتظام پیش نظر تھا۔ یہاں کا نظام علم اور تقویٰ کے امتزاج کی اس روایت کو زندہ رکھنا چاہتا تھا جو مسلمانوں نے اپنی ۱۴ سو سالہ تاریخ میں قائم کی۔ استاد اور شاگرد کا گہرا ذاتی ربط بھی اس کی بنیادی خصوصیات میں سے ایک رہا(۲۲)۔ دیوبند کے نظام تعلیم میں طلبہ کے تقریری اور تحریری مقابلے، امتیازی کارناموں پر انعامات

اور طلبہ کی علیحدہ تنظیم کا قیام بھی شامل تھے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ طلبہ کی تربیت اور اجتماعی زندگی پیش نظر تھی۔

آزادی وطن کی خواہاں تحریک:

جہاں تک دیوبند کی سیاسی فکر کا تعلق ہے وہ بالکل واضح ہے۔یہ تحریک آزادی وطن کی خواہاں تھی۔ حتیٰ کہ ۱۹۴۷ء تک اس جماعت کے افراد نے اپنے طور پر بڑی سے بڑی قربانیاں پیش کیں جو تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہیں۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ تیرھویں صدی ہجری کے نصف آخر میں مغلیہ حکومت کے زوال کی ساعتوں میں مولانا حاجی امداد اللہ کی سرپرستی میں مولانا محمد قاسم اور مولانا رشید احمد کی مساعی انقلاب، جہادی اقدامات اور حریت واستقلال ملّی کی فداکارانہ جدوجہد اور گرفتاریوں کے وارنٹ پر ان کی قید وبند وہ تاریخی حقائق ہیں جو جھٹلائے اور بھلائے نہیں جاسکتے۔ان میں چیدہ چیدہ حضرات کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد، مولانا محمود الحسن، مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا عبیداللہ سندھی، مولانا حسین احمد مدنی، مفتی کفایت اللہ دہلوی اور مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی۔ (۲۳)

منبع فضلاء:

دارالعلوم دیوبند نے بحیثیت تعلیم گاہ ایسے فضلاء پیدا کئے جنھوں نے مختلف شعبہ ہائے زندگی میں کام کیا۔ فضلاء صنعت وحرفت جنھوں نے تجارت کے ساتھ دینی خدمات بھی انجام دیں (۲۴)

غرض کہ دارالعلوم دیوبند نے اپنے فضلاء کا ایک ایسا گلدستہ تیار کیا۔جس میں رنگ برنگ کے پھول اپنی عطر بیزی سے آج بھی فرحت کا سامان بہم پہنچارہے ہیں۔اس جائزے سے درس وتدریس، تصنیف وتالیف، صحافت وطباعت وغیرہ کے میدانوں میں فرزندان دیوبند کی خدمات کا اعتراف کیا جاسکتا ہے۔ (۲۵) درس وتدریس کے میدان میں دیوبند کی عظیم الشان خدمات کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ سوسال کی مدت میں ابنائے دیوبند نے ۸۹۳۶ مدارس ومکاتب قائم کئے۔ (۲۶)

نابغہ روزگار علماء کی پروردہ تحریک:

دارالعلوم نے ایک سو تیرہ برس میں ایسے ایسے نابغہ روزگار علماء پیدا کئے کہ ان میں سے ایک ایک کو کھڑا کرکے دنیا کو چیلنج کیا جاسکتا ہے کہ تم اس کی مثال لاؤ۔ بانی دارالعلوم مولانا محمد قاسم نانوتوی، سرپرست اوّل مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا یعقوب نانوتوی، شیخ الہند محمود الحسن، مفتی کفایت اللہ، مولانا سیّد حسین احمد مدنی، علامہ انور شاہ کشمیری، مولانا مناظر احسن گیلانی، مولانا محمد منظور نعمانی، مولانا مفتی

محمد شفیع، مولانا محمد یوسف بنوری، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، سیّد مرتضےٰ احسن چاند پوری، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا سیّد بدر عالم میرٹھی، مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی، مولانا عبیداللہ سندھی، مولانا محمد میاں، مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا محمد ادریس کاندھلوی، مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا قاری محمد طیب، مولانا محمد اعزاز علی، مولانا سعید احمد، اکبر آبادی، مولانا سیّد محمد میاں دیوبندی، مولانا شمس الحق افغانی اور مولانا عبدالحق اکوڑہ خٹک تو ایسی نامور شخصیات ہیں کہ ان میں سے ہر ایک پر جتنا بھی فخر ہوسکے کم ہے۔ اگر یہ کہہ دیا جائے کہ دار العلوم اپنے گذشتہ دور میں ایسی دو تین شخصیات ہی پیدا کر دیتا تو یہ اس کیلئے مباہات کی پونجی تھی چہ جائیکہ یہاں تو سینکڑوں علماء، فضلاء قطار اندر قطار کھڑے نظر آتے ہیں کہ جو اپنی مثال آپ ہیں۔ (۲۷)

انجمن خدام الدین لاہور کے ایک جلسہ میں سر شفیع (شفیع لیگ والے) کی صدارت میں علامہ شبیر احمد عثمانی نے تقریر فرمائی تو سر شفیع انگشت بدنداں ان کی طرف دیکھتے رہے۔ اختتام تقریر کے بعد مائیک پر آئے اور آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا کہ: کاش میری ماں بھی مجھے وہاں تعلیم کیلئے بھیجتی جہاں شبیر احمد کی ماں نے شبیر احمد کو تعلیم دلوائی۔ علامہ اقبال نے علامہ انور شاہ کشمیری کی وفات پر لاہور میں ایک تعزیتی جلسہ سے فرمایا: پانچ سو سال ادھر کی تاریخ انور شاہ پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اور ان ہی انور شاہ کے متعلق میاں شیر محمد صاحب شرقپوری نے فرمایا تھا۔ دیوبند میں چار نوری وجود ہیں ان میں سے ایک مولانا انور شاہ صاحب ہیں (۲۸)۔ دار العلوم نے لاکھوں جیّد علماء پیدا کئے جنہوں نے دنیا کے مختلف خطوں میں دولاکھ کے قریب دینی مدارس قائم کئے۔ ان علماء نے شریعت، طریقت، تفسیر، حدیث، درس و تدریس، خدمت خلق، تصنیف و تالیف، تحریک آزادی، اتحاد امت اور تحریک پاکستان کے میدانوں میں وہ شہرۂ آفاق تعمیری کردار ادا کیا جس نے جنوبی ایشیاء کی تاریخ کا رُخ موڑ دیا۔ (۲۹)

مشرکانہ ماحول میں توحید کی علمبردار:

انگریزی حکومت کے ایماء پر برصغیر پاک و ہند میں بہت سی گمراہ کن سیاسی اور مذہبی تحریکیں اُٹھیں جن کے ذریعے یہاں کے باشندوں اور خصوصیت سے مسلمانوں کو راہ راست سے ہٹانے کی کوششیں کی گئیں مگر دار العلوم دیوبند اور اس کے فضلاء نے پامردی سے ان کا مقابلہ کیا۔ ان کوششوں کی بدولت مسلمان انگریزی حکومت کی سیاہ کاریوں سے بہت حد تک محفوظ رہے۔ جب انکار حدیث کا فتنہ ابھرا تو ان ہی فضلائے دیوبند (مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی، مولانا مناظر احسن گیلانی) نے کتابیں تالیف کر کے اس کا سدِّ باب کیا (۳۰)۔ اس طرح قادیانیت اور دوسرے طریقوں سے مسلمانوں کو مرتد بنانے کی اسکیم تیار

ہوئی تو دارالعلوم دیوبند نے ۵۰ سے زائد فضلاء اس کے مقابلہ کیلئے میدان میں اتار کر ان مکروہ سازشوں کا قلع قمع کیا(۳۱)۔ فقہیات اسلامی میں مداخلت کا فتنہ اُٹھا تو دارالعلوم ہی نے قضاء شرعی قائم کرنے کی تحریک چلائی اور مولانا حافظ محمد احمد نے پانچ سو علماء کے دستخطوں سے برطانوی حکومت کے سامنے محکمہ قضاء شرعی کا مطالبہ پیش کر دیا جس سے یہ فتنہ باطل ہو گیا۔ گویا یوں برصغیر کے مشرکانہ ماحول میں دارالعلوم دیوبند نے دین و توحید کو اس کی اصلی صورت میں قائم رکھا۔[۳۲]

خوگر حمد سے تھوڑا سا گلہ بھی سن لے:

علماء دیوبند کے سیاسی رجحانات کی عملی تفسیر "جمعیۃ علمائے ہند" تھی جو عملی سیاست میں کانگریس کی مدومعاون تھی۔ اگرچہ تمام علماء دیوبند انفرادی طور پر اس کی فکر سے متفق نہ تھے مگر اس کی کانگریس سے وابستگی نے مسلمانوں کو بہت سیاسی نقصان پہنچایا۔ سوائے مولانا شبیر احمد عثمانی اوران کے چند رفقاء کے ان میں سے کسی قابل قدر ہستی نے تحریک پاکستان کا ساتھ نہ دیا۔ شبیر احمد عثمانی نے تو اپنے خیالات کا اظہار یوں کیا: افسوس! وہ دارالعلوم جس کی بنیاد اولیاء واکابرین نے اسلامی تعلیم اور اس کی روایات کے بقاء و تحفظ کے لئے رکھی تھی آج کانگریسیوں کا ایک مستحکم قلعہ بنا ہوا ہے جس میں ایک ریزرو فوج کافی تعداد میں ہر وقت جمع رہتی ہے۔ دارالعلوم کے فرزندوں کو کانگریسی حکومت کے شوق نے ملکی آزادی کا پروانہ دے دیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے دین سے آزادی حاصل کرنی بھی شروع کر دی ہے (۳۳)۔ شروع میں یہ حضرات فرقہ پرستی سے بالا اور کٹروہابیوں اورانتہا پسند بریلویوں کے درمیان راہ اعتدال پرگامزن رہے۔ مگر بعد میں انہوں نے اپنی مصالحت پسندانہ روش ترک کر دی اور خود ایک فرقہ بن کر دوسرے فرقوں کے مقابل آ گئے۔ نہ صرف یہ بلکہ انہوں نے اپنے بزرگوں کی وسعت نظری بھی ترک کر دی اور روح اسلام نظر انداز کر کے چھوٹی چھوٹی باتوں پر زور دینے اور لڑنے جھگڑنے لگے۔ خاص طور پر ان کی افکارِ مغرب سے بیزاری نے انہیں بہت نقصان پہنچایا۔ اپنے ذہنوں کو مسدود کر لینے کے باعث ان کی فکر کے سوتے خشک ہو گئے۔[۳۴]

حملہ آور کا مقابلہ دو طرح سے ہو سکتا ہے۔ آگے بڑھ کر یا اپنے آپ کو قلعہ میں محصور کر کے۔ تحریک علی گڑھ نے آگے بڑھ کر مغربی افکار کا مقابلہ کیا۔ جبکہ تحریک دیوبند نے قلعہ بند ہو کر۔ موخرالذکر کا طرز عمل یہ تھا کہ ہر مغربی چیز بری ہے۔ نہ مغربی معیشت اپنالو نہ انگریزی پڑھو۔ مگر اس طرز عمل نے اپنی انتہائی صورت میں یورپی علمی دور کی دو بنیادی خصوصیتوں یعنی حواس ظاہری سے حاصل شدہ تجرباتی علم اوراستدلالی طرز فکر سے دوری اختیار کر لی۔ اس روش نے انہیں حقیقت پسندی

اور مبنی بر معقولیت سوچ سے محروم کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے شرعی اور سیاسی دونوں میدانوں میں ٹھوکریں کھائیں اور باوجود ان کے خلوص نیت کے برصغیر کے مسلمانوں کو فائدہ کم اور نقصان زیادہ پہنچا (۳۵)۔ نیز تعلیم بھی دو حصّوں میں بٹ گئی اور برطانوی ہند میں پہلی بار دینی اور دنیاوی یا قدیم وجدید تعلیم کی اصطلاح بولی جانے لگی۔ اگر دارالعلوم دیوبند اپنا نصاب تعلیم وقت کی علمی ترقیوں سے ہم آہنگ کرلیتااور عربی زبان، عربی ادب، علم کلام، فلسفہ وغیرہ سے متعلق قرون وسطیٰ کے تعلیمی نصاب کو تجربہ، مشاہدہ، کلاسیکی ادب اور علمی ارتقاء کی روشنی میں از سر نو مرتب کرتا تو ہماری تعلیم قدیم وجدید کی تقسیم سے بچ جاتی اور ہماری تعلیمی روایت کا تسلسل برقرار رہتا۔[۳۶]

مثلکلمہ طیبہ کشجرہ طیبہ

دارالعلوم دیوبند کے نصاب، تعلیمی مقاصد، فقہی مزاج اور ارباب دیوبند کی مذہبی واخلاقی سیرتوں کا جائزہ لینے کے بعد یہ کہنا صحیح ہوگا کہ اپنی تمام کمزوریوں کے باوجود دیوبند کی تعلیمی تحریک نے مسلمانوں کی ایک بہت بڑی ضرورت پوری کی، اسلامی علوم وروایات کے چراغوں کو طوفانوں کے تھپیڑوں میں روشن رکھا اور دیوبند نے ایسے سپوت پیدا کئے جنھوں نے نہ صرف برصغیر بلکہ پوری دنیا کے مسلمانوں کے لئے عظیم الشان خدمات سرانجام دیں۔ آزادی وطن کی اکثر وبیشتر تحریکات کا مرکز دیوبند رہا، ریشمی رومال کی عالمگیر تحریک ابنائے دیوبند کے ہاتھوں پروان چڑھی۔ دیوبند کا نظام تعلیم درس نظامی پر مشتمل ۹سال پر محیط تھا۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ علم طب، جلد سازی، پارچہ بافی کا بھی انتظام تھا، اس کے فارغ التحصیل دنیائے اسلام کے مرکز مکہ اور مدینہ میں مدرسۃ الشرعیہ وغیرہ جیسی اسلامی علوم کی درس گاہیں قائم کرکے اسلامی تعلیمات کی شمع روشن کئے ہوئے ہیں۔ ان میں صاحب درس وافتاء، مصنف و مبلغ، امراض روحانی کے معالج، امراض جسمانی کے طبیب، واعظ، ادیب، لیڈر اور اخبار نویس، قاضی، مجالسِ مقنّنہ کے رکن، مفکر، فلسفی شامل ہیں۔ غرض کہ مسلمانوں کی علمی، اخلاقی، تہذیبی اور سیاسی زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جس میں دارالعلوم کے فیض یافتہ موجود نہ ہوں۔

حرف آخر:

اگر اصطلاحی الفاظ میں دارالعلوم دیوبند کو ڈھالا جائے تو اسکا خلاصہ یہ بنے گا کہ دارالعلوم دیوبند دیناً مسلم، فرقتہً اہل سنت والجماعت، مذہباً حنفی، مشرباً صوفی، کلاماً اشعری اور فکراً ولی اللّٰہی تھا۔ مولانا ظفر علی خاں نے ٹھیک فرمایا تھا:

شاد باش وشاد زی اے سرزمین دیوبند
ہند میں تو نے کیا اسلام کا جھنڈا بلند

حوالہ جات:

۱۔ وجاہت انجم ۱۹۸۰ء، ص ۸۱
۲۔ مجاہد الحسینی ۲۰۰۲ء، ص ۵
۳۔ محمد طیب، قاری ۱۹۹۱ء، ص ۱۷۸
۴۔ محبوب رضوی، سیّد ۱۹۷۲ء، ص ۳۲۸۔
۵۔ محمد نسیم عثمانی ۱۹۷۳ء، ص ۱۷
۶۔ محمد اکرام، شیخ ۱۹۸۲ء، ص ۲۰۸
۷۔ دفتر اجلاس صد سالہ دارالعلوم دیوبند ۱۹۸۱ء، ص ۱۵۳۸۔ محبوب رضوی، سیّد ۱۹۷۶ء، ص ۱۸۸
۹۔ محمد اقبال، قریشی ۱۹۷۶ء، ص ۱۶۴
۱۰۔ روزنامہ "الجمعیۃ"، ۸ دسمبر ۱۹۵۱ء
۱۱۔ دفتر اجلاس صد سالہ دارالعلوم دیوبند ۱۹۸۰ء، ص ۶۰
۱۲۔ مناظر احسن، گیلانی سید (س ن) الف، ص ۲۲۶
۱۳۔ منظور احمد جاوید ۱۹۷۹ء، ص ۱۵
۱۴۔ مناظر احسن، گیلانی سیّد (س،ن) ج، ص ۳۰۳-۳۰۴
۱۵۔ محمد یوسف، بنوری ۱۹۷۶ء، ص ۱۴۹
۱۶۔ محمد میاں، سیّد ۱۹۶۱ء، ص ۶۷
۱۷۔ محمد یوسف، بنوری ۱۹۷۶ء، ص ۱۵۳
۱۸۔ احمد حسن، پیرزادہ ۱۹۷۶ء، ص ۳۴۷
۱۹۔ محمد مالک کاندھلوی (س ن)، ص ۹-۱۰
۲۰۔ رشید احمد، جالندھری ۱۹۸۹ء، ص ۱۹۷
۲۱۔ محبوب، رضوی سیّد ۱۹۷۶ء، ص ۱۹۲-۱۹۱
۲۲۔ ندیم الواجدی ۱۹۷۶ء، ص ۳۶۱
۲۳۔ ایچ۔بی، خان ۱۹۸۵ء، ص ۳۴
۲۴۔ محمد رضوان، قاسمی ۱۹۸۱ء، ص ۵
۲۵۔ حبیب الرحمٰن مارچ ۱۹۸۱ء، ص ۱۱

۲۶۔ محمد نسیم عثمانی ۱۹۷۳ء، ص ۴۷

۲۷۔ محمد اکبر، شاہ بخاری ۲۰۰۱ء، ص ۸۷

۲۸۔ عبدالرشید ارشد ۱۹۸۰ء، ص ۱۲

۲۹۔ ارشاد الحق تھانوی ۲۰۰۲ء، ص ۶

۳۰۔ غلام مصطفیٰ، مولانا ۱۹۷۶ء، ص ۷

۳۱۔ ویب سائٹ، سٹوری آف پاکستان ۲۰۰۲ء، ص ۲۵۰

۳۲۔ جانباز مرزا ۱۹۸۰ء، ص ۳۲۴۰

۳۳۔ مختار جاوید ۱۹۹۶ء، ص ۳۴

۳۴۔ عبدالرشید، میاں ۱۹۸۲ء، ص ۱۱۴

۳۵۔ عبدالرشید، میاں ۱۹۸۹ء، ص ۱۱۱

۳۶۔ رشید احمد، جالندھری ۱۹۸۹ء، ص ۲۱۰-۲۰۰

کتابیات:

متفرق کتب

۱۔ ایچ۔بی۔خان۔ (۱۹۸۵ء)۔ برصغیر پاک و ہند کی سیاست میں علماء کا کردار۔ اسلام آباد: قومی ادارہ برائے تحقیق و تاریخ و ثقافت۔

۲۔ دفتر اجلاس صد سالہ دارالعلوم دیوبند۔ (۱۹۸۱ء)۔ دارالعلوم دیوبند کے ۱۱۷ سال۔ لاہور: ادارہ اسلامیات۔

۳۔ رشید احمد، جالندھری ڈاکٹر۔ (۱۹۸۹ء)۔ برطانوی ہند میں مسلمانوں کا نظام تعلیم، ایک ناقدانہ جائزہ، دارالعلوم دیوبند، جلد اول۔ اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن۔

۴۔ عبدالرشید، میاں۔ (۱۹۸۲ء)۔ پاکستان کا پس منظر اور پیش منظر۔ لاہور: ادارہ تحقیقات پاکستان، دانشگاہ پنجاب۔

۵۔ عبدالرشید، میاں۔ (۱۹۸۹ء)۔ پاکستان کا پس منظر اور پیش منظر۔ لاہور: ادارہ تحقیقات پاکستان، دانشگاہ پنجاب۔

۶۔ محبوب، رضوی سید۔ (۱۹۷۲ء)۔ تاریخ دیوبند۔ دیوبند، یوپی: علمی مرکز۔

۷۔ محمد اکبر، شاہ بخاری۔ (۲۰۰۱ء)۔حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، چالیس بڑے م سلمان۔ کراچی :ادارۃالقرآن۔

۸۔ محمد اکرام، شیخ۔ (۱۹۸۲ء)۔آب کوثر۔ لاہور :ادارہ ثقافت اسلامیہ پاکستان۔

۹۔ محمد مالک، کاندھلوی مولانا۔(س ن)۔ تفریظ۔ اکابر علماء دیوبند(مؤلفحافظ محمداکبرشاہ)۔ ل اہور :ادارہ اسلامیات۔

۱۰۔ محمد میاں، سیّد۔ (۱۹۶۱ء)۔علمائے ہند کا شاندار ماضی جلد چہارم۔ دہلی۔

۱۱۔ مختار جاوید۔ (۱۹۹۶ء)۔ دارالعلوم دیوبند کے سوسال۔ لاہور : عظیم پبلی کیشنز۔

۱۲۔ مناظر احسن، گیلانی۔ (س ن)۔الف۔ سوانح قاسمی جلد اول۔ لاہور :مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار۔

۱۳۔ مناظر احسن، گیلانی۔ (س ن)ج۔ مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت۔ دہلی :ندوۃالمصنفین۔ رسائل

۱۴۔ احمد حسن پیرزادہ جامی۔ (۱۹۷۶ء)۔دارالعلوم ویوبند پر علمی و تحقیقی مقالہ، ماہنامہ الرشید (۴) ۲-۳۔ل اہور۔

۱۵۔ حبیب الرحمٰن، مولانا۔(۱۹۸۱ء)۔چودھویں صدی ہجری کی ایک دینی درسگاہ دارالعلوم دیوبند، ماہنامہالرشید (۹) ۳۔ ساہیوال۔

۱۶۔ عبدالرشید ارشد۔ (۱۹۸۰ء)۔ شاد باش و شاد زی اے سرزمین دیوبند، ماہنامہ الرشید، تاریخ دارالعلوم دیوبند نمبر (۸) ۴-۵۔ساہیوال۔

۱۷۔ غلام مصطفٰے، مولانا۔ (۱۹۷۶ء)۔ جامعیت دارالعلوم دیوبند، ماہنامہالرشید (۴) ۲۔ ۳۔ لاہور۔

۱۸۔ محبوب، رضوی سیّد۔ (۱۹۷۶ء)۔ دارالعلوم دیوبند کی تعلیمی خصوصیات، ماہنامہ الرشید (۴) ۲۔ ۳۔ لاہور۔

۱۹۔ محمد اقبال، قریشی۔ (۱۹۷۶ء)۔ حضرات علماء دیوبند کا مسلک اعتدال، ماہنامہ الرشید (۴) ۲۔ ۳۔ لاہور۔

۲۰۔ محمد رضوان قاسمی۔ (۱۹۸۱ء)۔ دارالعلوم دیوبند کی صدسالہ تاریخ۔ اعداد وشمار کے آئینے میں، ماہنامہ ا لرشید (۹) ا۔ ۲۔ ساہیوال۔

۲۱۔ محمد یوسف، بنوری۔ (۱۹۷۶ء)۔ دارالعلوم دیوبند ایک جائزہ، ماہنامہ الرشید (۴) ۲۔ ۳۔ لاہور۔

۲۲۔ منظور احمد جاوید۔ (۱۹۷۹ء)۔ تقدمہ، ماہنامہ عزم نو، اسلامی نظام تعلیم نمبر۔ لاہور :جمعیت طلباء اسلام، شاہ عالممارکیٹ، جنوری تاجون ۱۹۷۹ء۔

۲۳۔ ندیم الواجدی۔ (۱۹۷۶ء)۔ دارالعلوم دیوبند ماضی اور حال، ماہنامہ الرشید (۴) ۲۔ ۳۔ لاہور مجلے

۲۴۔ محمد طیب، قاری۔ (۱۹۹۱ء)۔ دارالعلوم دیوبند، مجلّہ (۲) ا۔ ۴۔ کراچی۔

۲۵۔ محمد نسیم عثمانی۔ (۱۹۷۳ء)۔ دارالعلوم دیوبند، مجلّہ علم وآگہی، خصوصی شمارہ۔ کراچی : گورنمنٹ نیشنل کالج۔ بابت ۱۹۷۳۔ ۷۴ء۔

۲۶۔ منظور احمد جاوید۔ (۱۹۷۸ء)۔ تقدمہ، عزم نو، اسلامی نظام تعلیم نمبر۔ لاہور: جمعیت طلباء اسلام، شاہ عالم مارکیٹ، اخبارات وجرائد، رودادیں، ویب سائٹ۔

۲۷۔ اداریہ۔ روزنامہ الجمعیۃ۔ ۸ دسمبر ۱۹۵۱ء۔ دہلی۔

۲۸۔ ارشادالحق تھانوی، مولانا۔ (۲۰۰۲ء)۔ دارالعلوم دیوبند۔۔۔ ایک ادارہ، ایک تحریک، روزنامہ جنگلاہور۔ ۳۱ مئی ۲۰۰۲ء۔

۲۹۔ مجاہدالحسینی، مولانا۔ (۲۰۰۲ء)۔ دارالعلوم دیوبند کی علمی و دینی خدمات۔۔۔ ایک جائزہ، روزنامہ جنگ۔ ۱۳ مئی ۲۰۰۲ء۔ لاہور۔

۳۰۔ وجاہت انجم۔ (۱۹۸۰ء)۔ دارالعلوم دیوبند کھلی اور چھپی کہانی۔۔۔ ایک صدی کی زبانی، ہفت روزہ بادیان (۲) ۷۴۔ لاہور۔

۳۱۔ جانباز مرزا۔ (۱۹۸۰ء)۔ میں بھی وہاں حاضر تھا، روئیداد جشن دیوبند ۲۱-۲۳ مارچ ۱۹۸۰ء۔ لاہور: مکتبہ تبصرہ، شاد باغ۔

۳۲۔ www.storyofpakistan.com. (2002) Deoband Movement (1886-1947)۔